ایمان اور اسلام

• لفظی و اصطلاحی مفہوم • قانونی اور حقیقی درجے

• باہمی ربط و تعلق، اور • حصول ایمان کا آسان راستہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک تحریر جو موصوف کے قلم سے

'حکمت قرآن' کی خصوصی اشاعت میں شائع شدہ ایک صاحب خیر کی تحریر

'قدرت کے طبعی اور تمدنی قوانین اور ایمان و اسلام'

کے ابتدائیے کی تحریک کی بنا پر نکلی

★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارے دین کی دو سب سے اہم اور بنیادی اصطلاحات کا تعلق امن اور سلامتی سے ہے ——— یعنی ایمان اور اسلام

ایمان اور اسلام کا مادہ اور انکی اصل روح

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اس کے تمام الفاظ کا ایک مادہ یا جذر ہوتا ہے جو کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔

پھر ان مادّوں سے بے شمار الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں جن میں بالکل ریاضی کے
فارمولوں کے انداز میں اضافی معنی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، اگرچہ اصل مادّے اس
اور مأخذ کے مفہوم سے ان کا تعلق برقرار رہتا ہے ۔

چنانچہ ایمان کا مادّہ 'ا-م-ن' ہے اور اسلام کا 'س-ل-م' —
ا-م-ن سے سادہ ترین لفظ 'امن' بنتا ہے جس کے معنی از خود واضح ہیں یعنی
یعنی بے خوفی، اطمینان، سکون اور چین - اور 'س-ل-م' سے جو بے شمار
لفظ بنتے ہیں اُن میں سے ایک عام اردو دان شخص کے ذہن سے قریب ترین
لفظ 'سلامتی' ہے یعنی ہر نوع کے نقصان اور ضرر سے محفوظ ہونا ۔

ذرا غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ امن اور سلامتی قریباً ہم مفہوم
الفاظ ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ۔

اس سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے قریباً ایک
ہی مفہوم کے دو الفاظ کو اپنی بنیادی اصطلاحات کے طور پر کیوں اختیار کیے
اور کیوں نہ ان میں سے کسی ایک ہی کو منتخب کر لیا ۔

اس کا سبب بھی بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتا ہے اور وہ یہ کہ انسانی شخصیت کی
کے دو رُخ ہیں: ایک داخلی یا باطنی اور دوسرا خارجی یا ظاہری - ان میں سے
پہلے کا تعلق انسان کی سوچ اور فکر، عقاید و آراء اور نظریات و خیالات سے ہے
اور دوسرے کا افعال و اعمال، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار سے! اور
نارمل انسان کی شخصیت کے یہ دونوں رُخ باہم دگر مربوط اور لازم و ملزوم ہوتے
ہیں - یعنی صحتمند فکر سے صحیح عمل جنم لیتا ہے اور غلط خیالات و نظریات غلط طرز
کا سبب بنتے ہیں - اسی طرح انسان کے داخلی امن و سکون سے اُس کے عمل میں
بھی سلامتی پیدا ہوتی ہے اور ذہنی و قلبی انتشار عمل میں فساد کا موجب بنتا ہے

قرآن حکیم نے جو علم حقیقت اور صحیح نظامِ افکار و عقاید انسان کو عطا فرمایا
اُس کا حسین عنوان قرار دیا ہے 'ایمان'، کو اس لئے کہ اس کا ثمرہ ہے داخلی امان
یعنی ذہنی و قلبی اطمینان —— اور عمل کے ضمن میں جس صراطِ مستقیم کی جانب ہے

اضی سکینت کی ہے اُس کا جامع عنوان قرار دیا ہے 'اسلام' کو اس لئے کہ اُس کا اصل
ل مادّہ سلم ہے معاشرتی سکون اور اجتماعی سلامتی —— گویا یہ دونوں اصطلاحات
تہً ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں - ایک داخلی اور دوسرا خارجی -
م' —— اس بحث کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاں یہ دونوں جنس ہائے گرانمایہ'
اضح باطنی ذہنی و قلبی اطمینان اور معاشرتی و اجتماعی سلامتی مفقود ہوں وہاں 'ایمان'
ے شعائر 'اسلام' کے وجود کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا —— تو یہ نتیجہ اگرچہ
ب ترین ہوں اور حقیقی اعتبار سے صد فی صد درست ہے تاہم اس مسئلے کا ایک دوسرا
پہلو بھی ہے جو 'ایمان' اور 'اسلام' کے اصطلاحی معنوں پر غور کرنے سے سمجھ
مفہوم آسکتا ہے -

'ایمان' کے لفظی اور اصطلاحی معنی

'ایمان' امن سے باب
ا ایک افعال کا مصدر ہے اور اس
یا رکیے معنی ہیں : 'کسی کو امن دینا' اور اس سے اسم فاعل بنتا ہے 'مومن' یعنی
امن دینے والا - چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک 'المومن' ہے
خصیت ہی حقیقی امن عطا فرمانے والا -

ں سے اصطلاحاً ایمان کا لفظ 'ب' یا 'ل' کے حروف (PREPOSITIONS)
ں سے لے ساتھ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں کسی کی بات مان لینا یا تصدیق کرنا
ا اور افعال (VERBS) کے ساتھ حروف (PREPOSITIONS)
زوم ہونے اور بدل جانے سے معنی میں تغیّر و تبدّل ہر زبان میں معروف ہے - جیسے انگریزی میں
ملطرزً "TO GIVE" اور "TO GIVE UP" اور "TO GIVE IN" کے
صل معنوں میں زمین آسمان کا فرق ہے - لیکن عربی زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ حروف
تا ہے اضافے سے معنی میں نیا مفہوم تو ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن اصل مادّہ کے ساتھ
ا فرمایا حق منقطع نہیں ہوتا - چنانچہ اس مثال میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کسی کی بات
داخلی ایمان لینا اور اس کی تصدیق کرنا فی الواقع اُسے امن دینے ہی کے مترادف
جاتا ہے - اس کے برعکس تردید یا تکذیب سے چھوٹے یا بڑے پیمانے پر ردّ و قدح

اور بدامنی و فساد کا پیدا ہونا لازمی ہے ۔

چنانچہ اصطلاحِ شرع میں 'ایمان' کہتے ہیں نبی کے دعوئ نبوّت اور اس کی دی ہوئی خبروں اور اطلاعات کی تصدیق کو !

اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی جملہ مخلوقات میں ان کی تخلیق اور پیدائش کے ساتھ ہدایت اور رہنمائی بھی ودیعت کر دی ہے جس کے بہت سے درجات ہیں ۔ چنانچہ جمادات و نباتات تو قدرت کے قوانین طبعی کے بالکلیہ پابند ہیں اور ان میں ارادے اور اختیار کی کوئی آزادی سرے سے موجود ہی نہیں ہے ۔ حیوانات میں 'ارادی حرکت' کی صورت میں 'آزادیٔ ارادہ' کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ اُن کی جملہ حرکات و سکنات انکی جبلّت (INSTINCTS) کی تابع ہیں ۔ گویا ان کی آزادی بھی صرف ظاہری ہے حقیقی اور واقعی نہیں !

انسان بلاشبہ اشرف المخلوقات ہے ۔ چنانچہ ہم اُس میں ارادہ و اختیار کی آزادی کو نقطۂ عروج پر پاتے ہیں ۔ اصل میں یہی امانتِ عظیمہ کا وہ بارِ گراں ہے جس کا تحمل نہ آسمان کر سکے، نہ زمین، نہ پہاڑ نہ کوئی اور یہ حصے میں آئی ہے صرف اُس 'انسان' کے جو مسجودِ ملائک بھی ہے اور مخدومِ خلائق بھی، اس کی اس شرافت و کرامت کی بنیاد یہی ہے کہ وہ سرتابی و سرکشی کا اختیار رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے اطاعت اور تابعداری کی روش اختیار کرے ۔ بدی کی استعداد کا حامل ہونے کے باوجود نیکی کی راہ پر چلے، انتقام پر قادر ہوتے ہوئے عفو و درگذر کی روش اختیار کرے ۔ اگر انسان میں ارادہ و اختیار کی یہ آزادی نہ ہوتی تو اُس کی نیکی اور پارسائی کسی قدر و قیمت کی حامل نہ ہوتی ۔ اصل میں اللہ تعالےٰ کے ارادہ و اختیارِ مطلق کا یہی وہ عکس اور پرتو ہے جو

انسانی شخصیت پر پڑا تو وہ "خلیفۃ اللہ" قرار پائی
یہی وجہ ہے کہ انسان میں جبلّی پابندیوں (INSTINCTS)
کا عمل دخل حیوانات کے مقابلے میں بہت کم ہے - یا یوں کہہ لیں کہ انسان
کی جبلّی ہدایت کا دائرہ بہت محدود ہے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے
نوزائیدہ بچے میں "پیدائشی ہدایت" حیوانات کے نوزائیدہ بچوں کے مقابلے
میں بہت کم ہے - مثلاً بکری کا بچّہ پیدائشی طور پر نباتاتی غذا کی طرف متوجہ
ہوتا ہے اور گوشت کو منہ نہیں لگاتا جبکہ شیر کے بچے کو جبلّی طور پر معلوم ہے کہ
اُس کی غذا گوشت ہے، گھاس پات نہیں، چنانچہ وہ بھوکا مر جائے
گا لیکن گھاس کو منہ نہیں لگائے گا - ان کے مقابلے میں انسانی بچے کو یہ
بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی چیز منہ میں ڈالنے کی ہے اور کونسی نہیں چنانچہ
بسا اوقات وہ گندگی تک کو اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا ہے!

انسان میں اس "جبلّی ہدایت" کی کمی کو دو چیزوں سے پورا کیا گیا ہے -

ایک "فطرتِ انسانی" (HUMAN NATURE) جس میں خیر و شر اور نیکی و بدی
کی پوری پہچان ودیعت شدہ ہے اور دوسرے "عقلِ انسانی" (HUMAN
INTELLECT) جس میں صحیح و غلط اور درست و نادرست کے مابین
امتیاز کی صلاحیت موجود ہے -

مزید برآں انسان کی ان ہی دو استعدادات کی تائید و تقویت کے لئے
جاری کیا گیا وحی و نبوت کا سلسلہ - چنانچہ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم سے بدرجہ
اتم بہرہ مند اور سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار کے اعتبار سے کلیۃً بے داغ
اور ہر شک و شبہ سے بالاتر انسانوں کو چُن کر اُن کے پاس اللہ بذریعہ وحی
اپنا پیغامِ ہدایت ارسال فرماتا رہا اور وہ مامور ہوتے اس پر کہ وہ خلقِ خدا کو
یہ پیغامِ ہدایت پہنچائیں - تو جن لوگوں نے اُن کے اس دعویٰ کی تصدیق کی کہ
اُن کے پاس خدا کی جانب سے وحی آتی ہے اور اُن کے لائے ہوئے پیغامِ ہدایت

کو قبول کرلیا وہ 'مومن'، یا تصدیق کرنے والے کہلاتے ہیں۔

'اسلام' کے لفظی اور اصطلاحی معنی

اسی طرح 'اسلام' کے لفظی معنی ہیں کسی کو سلامتی دینا، اگرچہ اس معنی میں اس کا استعمال معروف نہیں اصطلاحاً یہ بھی 'ل' کے صلے (PREPOSITION) کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی بن جاتے ہیں: کسی کی تابعداری اختیار کرلینا۔ فارسی زبان میں اس کا معنی "گردن نہادن"، یعنی سرِ تسلیم خم کردینے سے ادا ہوتا ہے اور انگریزی میں "(TO SURRENDER)" اور "TO GIVE UP RESISTANCE" ہے۔

اس کی اصل حقیقت بھی اس طرح بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کوئی دو ہستیاں بالکل برابر کے مرتبہ ومقام اور اختیارات وحقوق کی حامل ہوں تو ان کے مابین مقابلہ اور تصادم ناگزیر ہوگا۔ جس سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکے گی۔ یہ تصادم اور فساد صرف اسی طرح رفع ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی بالادستی قبول کرلے اور اس کی 'تابعدار' بن جائے ——— چنانچہ حقیقت کے اعتبار سے 'اسلام' کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اللہ نے ارادے اور اختیار کی جو آزادی انسان کو عطا فرمائی ہے، انسان اپنے آزاد اختیار اور ارادے کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی اس آزادی سے اللہ کے حق میں دستبردار ہوجائے۔ (گویا SURRENDER کردے!) اور جس طرح اس کا کل جسمانی نظام اللہ کے قوانین طبعی کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے اسی طرح اپنی آزادی اور اختیار کے دائرے میں بھی اللہ کے احکام شرعی کی پابندی قبول کرلے!

ایمان اور اسلام کے دو درجے اور ایک اشکال کا حل

ویسے تو ایمان اور اسلام کے مدارج ومراتب بے شمار ہیں، لیکن ان کی بنیادی طور پر دو درجوں

یہ تقسیم کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے : یعنی ایک[1] قانونی اور دوسرا حقیقی۔
جس طرح کسی بات کو مان لینا یا اُس کی تصدیق کرنا سرسری طور پہ محض زبانی کلامی انداز میں بھی ہو سکتا ہے اور پوری سنجیدگی سے، کامل غور وخوض کے بعد اور دل و دماغ کے متفقہ فیصلے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایمان واسلام کا بھی ایک[1] درجہ "زبانی اقرار" کا ہے اور دوسرا[2] "تصدیق قلبی" کا۔ پہلی صورت کسی وقتی رَو کے زیر اثر یا بھیڑ چال کے انداز میں بھی پیدا ہوسکتی ہے اور نسلاً بعد نسلٍ ایک متوارث عقیدے (RACIAL CREED) کے طور پر بھی۔ جبکہ دوسری صورت کے لئے کامل شعور وادراک ناگزیر ہے ——— بہر نوع "زبانی اقرار" پر قانونی ایمان واسلام کی عمارت قائم ہے۔ جبکہ حقیقی ایمان واسلام کا تمام تر دار ومدار "تصدیق قلبی" پر ہے۔
اب ظاہر ہے کہ حقیقی داخلی امن اور واقعی معاشرتی سلامتی حقیقی ایمان واسلام ہی کے نتیجے میں حاصل ہوسکتے ہیں نہ کہ محض قانونی ایمان واسلام سے گویا یہ عین ممکن ہے کہ کوئی معاشرہ یا قوم ایمان واسلام کی دعویدار تو بانگ دہل اور ایڑی چوٹی کے پورے زور کے ساتھ ہو لیکن ان کے ثمرات یعنی ذہنی اطمینان اور قلبی سکون، ——— اور معاشرتی بہبود اور اجتماعی سلامتی سے بالکل محروم وتہی دامن ہو۔ اس لئے کہ اس کے یہاں ایمان و اسلام محض ایک متوارث عقیدے کی حیثیت سے موجود ہوں، انکی حقیقت موجود نہ ہو۔

اور بدقسمتی سے یہی ہمارے موجودہ مسلمان معاشرے کی صحیح تشخیص ہے!

ایمان اور اسلام کا باہمی ربط

ابھی تک ہم نے افہام وتفہیم کی سہولت کی خاطر ایمان اور اسلام کو ایک ہی تصویر کے دو رُخ قرار دیا ہے ——— اب ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے

تو نظر آتا ہے کہ ان کے مابین ربط علت و معلول کی نوعیت کا ہے یعنی ایک[1] سبب ہے اور دوسرا[2] اُس کا نتیجہ۔ چنانچہ جیسا ایمان ہوگا ویسا ہی اسلام وجود میں آئے گا۔ ایمان سرسری ہوگا تو اسلام بھی سطحی ہوگا۔ ایمان صرف زبانی اقرار تک محدود ہوگا تو اللہ کی تابعداری بھی بس زبانی کلامی ہوگی۔ اور اگر ایمان گہرا اور پختہ ہوگا تو اسلام بھی حقیقی اور واقعی ہوگا۔

ایمان کے حصول کا ذریعہ ایمان یُوں تو بہت سی اَن دیکھی حقیقتوں کو محض نبیوں اور رسُولوں کی شہادت کی بنیاد پر ماننے کا نام ہے لیکن اُس کی جڑ بنیاد اور اصل جوہر اور خلاصہ ایمان باللہ ہے — یعنی اللہ کی ہستی، اُس کی توحید اور اُس کی صفاتِ کمال کی معرفت، اور اِن سب کا لب لباب اور اصل حاصل یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کا نقش دل پر قائم ہوجائے۔ اور اُس کی کبریائی کے تصوّر سے انسان لرزہ براندام ہوجائے۔

———— اور اِس کا آسان ترین ذریعہ یہ ہے کہ اُس کی تخلیق پر غور کیا جائے اور اُس کی خلاّقی، صنّاعی اور مصوّری کا بنظرِ غائر مشاہدہ کیا جائے۔ اس لئے کہ کائنات کی وسعت و عظمت درحقیقت اُس کے خالق ہی کی عظمت کا عکس اور پرتو ہے۔ اسی طرح اِس کائنات میں جاری و ساری قوانینِ طبعی و تمدّنی ہی سے اللہ کی قدرت و حکمت کا اندازہ ہوسکتا ہے اور ان قوانین کی پختگی اور محکمی ہی سے اللہ کے ارادے اور مشیّت کے اٹل اور غیر مبدّل ہونے کا شعور ابھرتا ہے۔

اسی لئے اپنی عظمت اور کبریائی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انفس و آفاق یعنی ہمارے اپنے اندر کی دُنیا اور باہر کی ساری کائنات کے مطالعہ پر زور دیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا

ہے کہ قرآن کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم وبیش سات سو آیات نازل ہوئی ہیں اور بیشمار نفسیاتی حقائق سے استشہاد کیا گیا ہے ۔

یہ قرآن کے اسی انداز اور اُسلوب کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں آفاق و انفس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں سے متعلق سائنس کے جملہ شعبوں کے ذخیرۂ معلومات کو ہند و یونان سے اخذ کیا اور نہ صرف یہ کہ انہیں ترقی دے کر بامِ عروج تک پہنچایا بلکہ متعدد نئے علوم و فنون ایجاد کئے اور فی الجملہ قافلۂ انسانیت کو ازمنۂ وسطیٰ کی جہالت کی تاریکیوں اور توہمات کے اندھیروں سے نکال کر مشاہدہ و تجربہ، تحقیق و تفتیش اور ایجاد و اختراع کی شاہراہ پر ڈال دیا ـــ چنانچہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ یورپ میں احیاءِ علوم (RENAISSANCE) کی پوری تحریک عربوں کے زیرِ اثر اٹھی جس نے جذبۂ سائنس اور ٹکنالوجی کو انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا ۔

افسوس کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں نے آفاق و انفس کی جانب سے نگاہیں بند کرلیں ۔ نتیجۃً "ایمان" محض ایک متوارث نظریے (Racial Creed) اور ماوراءِ عقل عقیدے (Dogma) کی صورت اختیار کر گیا اور "اسلام" نے چند بے رُوح رسوم (Rituals) کی شکل اختیار کر لی ۔

آج پھر شدید ضرورت ہے کہ نہ صرف یہ کہ "ایمان و اسلام" کی اصل رُوح کو ازسرِ نو زندہ کیا جائے بلکہ ان کا رشتہ دوبارہ "آفاق و انفس" کے علم کے ساتھ قائم کیا جائے تاکہ نوجوان نسل کی ذہنی پراگندگی دور ہوسکے اور وہ اللہ کی تخلیق کی عظمت اور اس کے طبعی و تمدنی قوانین کی پختگی و محکمی سے اللہ کی عظمت کا کچھ ہلکا سا اندازہ کرسکیں ۔ اسی مقصد سے "آفاق و انفس" کے بارے میں جو

معلومات آج تک انسان نے حاصل کی ہیں اُن کا ایک مختصر سا جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس سے اللہ کی عظمت کا نقش دلوں پر قائم ہو۔ — کہ یہی ایمان کا اصل جوہر اور لب لباب اور اسلام کی محکم اساس اور پختہ بنیاد ہے۔

حکمتِ قرآن

کا شمارہ بابت جولائی، اگست ۸۲ء جو

دعوت رجوع اِلی القرآن

کا منظر و پس منظر

کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کے چار مضامین پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع پر

ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے

— دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے —

قیمت فی پرچہ ۴/- (محصول ڈاک علاوہ)